R. No. 2186/57

Regd. No. L. 922.

انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

# ہماری زبان

ٹیلی فون ۔ ۲۹
قیمت تین روپے سالانہ
فی پرچہ دس نئے پیسے

جلد ۲۵ ۔ شمارہ ۲۵ | ایڈیٹر: آل احمد سرور | یکم جولائی ۱۹۶۶ء

آل احمد سرور

## کابل میں ایک ہفتہ

امریکہ میں ایک ادارہ ہے فرانکلین بک پروگرام۔ اس کی شاخیں ایران، افغانستان اور پاکستان میں ہیں۔ یہ ادارہ فارسی اور اردو میں علمی و ادبی کتابوں کی طباعت خصوصاً ترجموں کی اشاعت میں مدد دیتا ہے۔ ایران اور افغانستان میں اس کی شاخوں نے مطبوعات کا ایک خاصا بڑا سلسلہ شروع کر رکھا ہے۔ کابل کی اس کی شاخ کی طرف سے اور وہاں کی وزارت معارف اور یونی ورسٹی کے تعاون سے وہاں ایک سمینار ۲۰ جون سے ۲۵ جون تک منعقد ہوا۔

اس سمینار میں ایران، افغانستان، پاکستان، تاجکستان اور ہندوستان کے نمائندے شریک ہوئے۔ ہندوستان کو دعوت صرف چند دن پہلے ملی۔ ہمارے سفیر نے کابل سے لکھا کہ ہندوستان سے دو نمائندے ضرور بھیجے جائیں جو سمینار میں شریک ہو سکیں۔ ۱۶ جون کو شام کو وائس چانسلر نے مجھے ٹیلیفون کر کے دہلی بلایا اور کہا کہ آپ فوراً افغانستان چلے جائیے اور مزید معلومات کے لیے دوسرے دن صبح ساڑھے دس بجے اشوک مہتا ڈائرکٹر وانا (WANA) سے ملنے کو کہا جو مغربی ایشیا اور شمالی افریقہ کے مسائل کی نگرانی کرتے ہیں۔ میں ۱۸ کو ان سے ملا۔ انھوں نے مجھ سے اصرار کیا کہ میں باوجود تنگیٔ وقت پر اطلاع کے کسی طرح چلا ہی جاؤں۔ میرے مشورے سے انھوں نے مالک رام صاحب کو بھی بلایا اور ان کو بھی یہی تاکید کی۔

آج کل ملک سے باہر جانے کے سلسلے میں بڑے بڑے انتظامات کرنے پڑتے ہیں۔ پاسپورٹ بنوائیے، جس ملک میں جانا ہے وہاں کی سفارت سے ویزا لیجیے، پھر لمبا فارم بھریے جب ہوائی ٹکٹ لیجیے، اکس چینج حاصل کیجیے۔ بہر حال وزارت خارجہ کی مہربانی سے سارے مراحل چند گھنٹوں میں طے ہو گئے۔ میں ۱۸ کی شام کی گاڑی سے علی گڑھ واپس آیا۔ نو بجے شب میں پہنچا، جلدی جلدی سامان باندھا اور ڈھائی بجے صبح کی دہلی اکسپریس سے دہلی کے لیے روانہ ہو گیا۔ صبح سوا چھ بجے دہلی پہنچا۔ منہ ہاتھ دھو کر اور ناشتہ کر کے آٹھ بجے پالم ہوائی اڈے پر پہنچا۔ وہاں تھوڑی دیر میں وزارت خارجہ کا ایک کارکن اور مالک رام دونوں آ گئے۔ کارکن نے پاسپورٹ اور دوسرے کاغذات حوالے کیے۔ اکس چینج لیا۔ ساڑھے چھ پونڈ ملے۔ ۱۹ کو ٹھیک نو بجے انڈین ایر لائنس کارپوریشن کا وائکاؤنٹ پالم سے اڑا۔ ہوائی جہاز میں کئی جگہیں خالی تھیں۔ اس سے اندازہ ہوا کہ کابل کے لیے زیادہ مسافر نہیں ہوتے۔ وائکاؤنٹ تقریباً اٹھارہ ہزار فٹ کی بلندی پر اڑ رہا تھا۔ ہم لوگ سوا تین گھنٹے میں کابل کے ہوائی اڈے پر پہنچ گئے۔ کابل کا وقت دہلی کے وقت سے ایک گھنٹہ پیچھے تھا۔ گویا ہم دو گھنٹے میں کابل پہنچ گئے۔ ہوائی اڈے پر ہماری سفارت کے سکنڈ سکریٹری مسٹر ورما اور ادارہ فرانکلن کے نمائندے خرم موجود تھے۔ انھوں نے نہایت گرمجوشی سے ہمارا استقبال کیا اور تھوڑی دیر میں ہم لوگ ہوٹل کابل پہنچا دیے گئے جہاں ہمارے قیام کے لیے کمرے پہلے سے محفوظ تھے۔

کابل میں موسم دہلی اور علی گڑھ کے مقابلے میں خوشگوار تھا۔ گرمی تھی مگر لو نہ تھی۔ دھوپ میں تمازت تھی مگر ہوا ٹھنڈی معلوم ہوتی تھی۔ کابل کے شہر کے اردگرد پہاڑیاں ہیں۔ پرانے مکانات اینٹوں کے ہیں یا کچے ہیں۔ نیا شہر بڑا خوبصورت اور شاندار ہے۔ سڑکیں نہایت چوڑی

### اس شمارے میں

مورتیں جدید طرز کی۔ ہوٹل کابل کے قریب پختونستان اسکوائر ہے جہاں پختونستان کا جھنڈا ابھی لگا ہوا ہے۔ پاس ہی خیبر ریسٹوران اور سنیما ہے ہوٹل کابل سرکاری ہے اور وہاں مغربی معیار کے مطابق ہر آسائش موجود ہے۔ ہم لوگ سامان رکھ کر سفارت خانے گئے۔ سفیر صاحب کو اطلاع کرائی انھوں نے فوراً بلا لیا۔ سفیر جنرل تھاپر ہندوستانی افواج کے کمانڈر ان چیف رہ چکے ہیں۔ اپنے آپ کو سیدھا سادہ سپاہی کہتے ہیں لیکن نہایت کامیاب ڈپلومیٹ بھی ہیں۔ افغانستان کے لوگوں سے ان کے بڑے اچھے تعلقات ہیں۔ ہم لوگوں سے تقریباً آدھے گھنٹے بڑی محبت اور بے تکلفی سے باتیں کرتے رہے۔ ہمارے آنے پر بہت خوش تھے۔ دوپہر کا کھانا ہم نے مسٹر ورما کے ساتھ کھایا۔ وہاں کچھ اور ہندوستانی اصحاب موجود تھے۔ مسٹر ورما ہمارا اشتر کے ہیں۔ فارسی بھی خوب بول لیتے ہیں۔ متعدد ہمارے سفارت خانے کے کچھ لوگ بھی آئے تھے۔ غرض دلچسپ صحبت رہی۔

(باقی آئندہ)

---

## قاہرہ میں ہند و پاک مشاعرہ، سردار جعفری اور فیض احمد فیض کی شرکت

قاہرہ۔ ۲۲ جون۔ گذشتہ روز یہاں ہندوستانی طلبہ نے ایک مشاعرہ منعقد کیا۔ اس مشاعرہ میں ہندوستان اور پاکستان کے مشہور شعراء نے شرکت کی۔ ہندوستان کے مشہور شاعر علی سردار جعفری اور پاکستان کے مشہور شاعر فیض احمد فیض نے اپنا کلام سنایا۔ ہندوستانی سفارت خانہ کے فوجی اتاشی مسٹر خان نے بھی مشاعرہ میں حصہ لیا۔ جناب نراین احمد عربی اور فارسی کے اسکالر ہیں۔ مشاعرہ میں ہندوستانی طلبہ اور مصری شعراء نے بھی اپنا کلام سنایا۔

(دعوت، دہلی)

## نیشنل لائبریری میں موصولہ کتابیں

کلکتہ ۱۸ جون ۱۹۶۵-۶۶ء کے دوران میں نیشنل لائبریری کلکتہ میں ڈلیوری آف بکس (پبلک لائبریریز) ایکٹ کے تحت ۲۰۱۸۵ کتابیں موصول ہوئیں چونکہ ناشروں کو اس قانون کی رو سے یہ تاکید ہوتی ہے کہ وہ اپنی ہر مطبوعات کی ایک نقل اس لائبریری کو ارسال کریں۔ لہذا حالیہ اعداد و شمار سے ملک میں شائع ہونے والی کتابوں کی فہرست و تعداد کا پتا چل سکتا ہے۔ تعداد کے اعتبار سے انگریزی کی کتابیں بدستور سر فہرست ہیں۔ موصولہ انگریزی کتابوں کی تعداد ۱۰۳۴۷ تھی۔ اس کے بعد سب سے زیادہ ہندی کی کتابیں شائع ہوئیں یعنی ۲۳۰۷۔ مراٹھی کے عنوانات کی تعداد ۱۹۱۲، بنگالی کی ۱۲۲۲، تیلگو کی ۱۸۰ اور اردو کی ۲۰۴ کتابیں موصول ہوئیں۔

ریاست وار تفصیل کے حساب سے دہلی میں سب سے زیادہ کتابیں چھاپی گئیں۔ دہلی سے بھیجی گئی کتابوں کی تعداد [illegible] تھی۔

(الجمعیۃ، دہلی)

---

## جگر مرادآبادی پر ڈاکٹریٹ

محمد اسلام صاحب کو لکھنؤ یونیورسٹی نے ان کے مقالے "جگر مرادآبادی حیات اور شاعری" پر پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری عطا کی۔

محمد اسلام صاحب نے یہ مقالہ ڈاکٹر نورالحسن ہاشمی صاحب صدر شعبۂ اردو و فارسی لکھنؤ یونیورسٹی کی رہنمائی میں مرتب کیا ہے۔

(کتابی دنیا۔ کراچی)

## امراؤ جان ادا ادبی عدالت العالیہ میں

کراچی کی ادبی عدالت عالیہ میں ایک سنسنی خیز مقدمہ پیش ہونے والا ہے جس میں لکھنؤ کی ڈیرہ دار طوائف امراؤ جان ادا مشہور ادیب مرزا ہادی رسوا کے خلاف استغاثہ دائر کرے گی۔ مقدمہ کا تعلق ملا دو خانی ڈاکو، خانم جان کے چکلے، خورشید جان، بوا حسینی، نواب سلطان علی خاں نواب کی داشتہ، جھونو ڈومنی، نواب اور ڈومنی کے لڑکے گوہر مرزا، رشید بنا، لال چودھری، عین المال دیوان جی وغیرہ کے علاوہ ناول کے پلاٹ، موضوع اور دوسرے کرداروں سے ہے۔ انجمن طلبائے قدیم جامعہ عثمانیہ نے کراچی کے ممتاز ادیبوں، وکیلوں اور دانشوروں سے درخواست کی ہے کہ اپنی نوعیت کی اس پہلی ادبی عدالت میں فریقین کی جانب سے وکالت کریں۔ تین جج بحثیں سماعت کرنے کے بعد مقدمہ کا فیصلہ صادر کریں گے۔ سید رضا علی شاہ، سائیں بخش، اخلاق حسین، ابراہیم جلیس، ڈاکٹر اسلم فرخی، سید سبط حسن اور شان الحق حقی اس پروگرام میں حصہ لیں گے۔

(کتابی دنیا)

## قیدیوں کے لیے تلگو، اردو اور ہندی کے امتحانات

حیدرآباد۔ ۱۲ جون۔ سنٹرل جیل چنچل گوڑہ میں قیدیوں کو جیل جیسے اسکول ہی میں اردو، ہندی اور تلگو کی تعلیم دی جا رہی ہے۔ حال ہی میں زیر تعلیم قیدیوں کا امتحان بھی لیا گیا جس کے نتائج بڑے شاندار رہے ہیں۔ آندھرا سرسوت پریشد کے تلگو امتحانات میں حصہ لینے والے ۲۴ امیدواروں کے منجملہ ۱۸ امیدواروں نے کامیابی حاصل کی۔ مسٹر فقیر مینڈی ساری ریاست میں اول قرار دیے گئے۔ (الجمعیۃ، دہلی)

## میر پر تحقیقی کام کرنے والے طالب علم کو اسکالر شپ

لکھنؤ۔ ۴ جون۔ میر تقی میر پر تحقیقی کام کرنے والے طالب علم کو جو لکھنؤ میں رہ کر یہ ریسرچ کرے گا سو روپے ماہانہ اسکالر شپ دیا جائے گا۔

یہ اعلان آج آل انڈیا میر اکیڈمی کی اس ادبی نشست میں جو پروفیسر سید مسعود حسن رضوی کی صدارت میں اکیڈمی کے دفتر لاری ہاؤس میں [illegible] رگھوپتی سہائے فراق گورکھپوری کے اعزاز میں ہوئی۔

سو روپے ماہانہ کی پیش کش صدر میر اکیڈمی جناب مقبول احمد لاری نے کی ہے۔ (قومی آواز، لکھنؤ)

محمد انصار اللہ نظر

# فائق کی ایک فارسی تصنیف

سعیدیہ کتب خانہ[1] (صدیقیہ نیشنل انٹر کالج) پیلی بھیت میں اردو، فارسی اور عربی کے مخطوطات قابل قدر تعداد میں تھے دستبرد زمانہ سے ان میں سے بہت سے ضائع ہو گئے جو باقی رہ گئے تھے راقم سطور نے ان کے اوراق کی ترتیب وغیرہ کو درست کیا، انھیں میں فارسی انشا سے متعلق ایک کتاب دستیاب ہوئی یہ مخطوطہ بہت شکستہ و بوسیدہ حالت میں ہے اس لیے اس کے متعلق کئی ضروری امور دریافت نہ ہو سکے ان سطور کی اشاعت کا مقصد یہ ہے کہ حضرات اہل علم از راہ علم دوستی راقم سطور کو دریافت طلب امور سے آگاہ کر دیں شکریہ۔

کتاب کا آغاز اس طرح ہوتا ہے۔

"...... نوآموزیست کہ بہ نگاہ توجہ ملاحظہ فرمایند، اما بہ مقتضائی آنکہ آفتاب گیتی افروز با قدرت جہانگیری لمعات فیض از ذرہ ضعیف دریغ ندارد، اگر گاہی بہ نگاہی این اوراق مشرف گردانند، مختصر شاگرد خود را مترجم کلام بزرگان تصور فرمودہ، از عین عطا بجہود خطا ایاد نگیرند (کذا) و باحسان اصلاح منت برمنت ذمن مستعد خدمت گذاشتہ بمصداق ...... بعلوم ملامت را بہ صیغہ راج راجع گردانند

...... وی نمایندہ گان حسن کلام
گر خطائی بجرت بمن یابید ........ تابید
خط اصلاح بر خطا رانید عیب پوشی خوش است می دانید
........ شناست نگاہ از من اینک دعا جز اک اللہ"

اس بنا پر یہ خیال کیا جا سکتا ہے کہ مصنف نے کتاب مکمل کرنے کے بعد اپنے استاد کی خدمت میں پیش کی تھی، اس کے قول کے مطابق اسے تصنیف کے بجائے ترجمہ (تالیف) کہنا مناسب تر ہے کتاب کے اندراجات کا اندازہ فہرست سے کیا جا سکتا ہے۔

"فہرست

مقدمہ در بیان انشا و اقسام آن
دقیقہ اول مشتمل است بر سہ فصل ـــ فصل اول در بیان حمد حروف فصل دوم .... حروف تہجی و اختصاص آن در لغت عرب و عجم و شرح اعراب و اقسام آن فصل سیوم .......
دقیقہ دوم مبنی بر دہ فصل ـــ فصل اول در بیان کیفیت حروف تہجی و ...... در تمد اول محاورہ فصل دوم در شرح کلیات خمس فصل سیوم در بیان نسبت کلیات فصل چہارم در بیان .... فصل پنجم در بیان حروف یعنی ادوات فصل ششم در بیان فعل ......
فصل ہشتم در شرح دلالت الفاظ مفردہ بر معنی فصل نہم در بیان ....
..... (فصل دہم) در بیان لفظ مرکب یعنی کلام۔
دقیقہ سوم محتوی بر دو فصل ـــ ...... فصل دوم در تحریر کلام نثر
دقیقہ چہارم مشتمل بر دو فصل ـــ فصل اول در بیان استقامت ذاتی کلام فصل دوم در بیان استقامت عارضی کلام۔
دقیقہ پنجم بر دو فصل ـــ فصل اول در بیان قواعد ملفوظی فصل دوم در بیان آداب مناظرہ فصل سیوم در شرح آداب نوکری۔
دقیقہ ششم در اصطلاحات و کنایات مشتمل است و یک فصل ....
ختم کتاب"

کتاب کا مقصد طلبہ کو نظم و نثر کے معایب اور محاسن سمجھانا ہے چنانچہ مصنف نے جا بجا اس کا لحاظ کیا ہے۔

"از آنکہ طلبہ را معرفت آن در محاورہ پارسی .... مستعمل است و تفصیل آن خالی از فائدہ نیست نوشتہ می آید"

"تفصیل آن موجب تطویل کلام و بعید از افہام طلبہ می شود بنا بر آن مستحسن نمود کہ اول بشرح کلیات خمس پرداختہ در بیان شروع کنند کہ طلبہ را در معرفت آن آسانی رو نماید"

وہ زمانہ تھا کہ اردو نظم و نثر ہی نہیں قواعد و اصول میں بھی فارسی کے تابع تھی، اردو سیکھنے کے لیے فارسی کے قواعد اور ضوابط سیکھنے کے سوا چارہ نہ تھا چنانچہ قواعد و انشا کی کم و بیش سبھی کتابیں اس زمانے میں فارسی میں لکھی جا رہی تھیں، یہ کتاب بھی اگرچہ اردو لکھنے اور بولنے اور پڑھنے والے طبقہ کے لیے لکھی گئی ہے اس کے تمام مندرجات بھی فارسی میں ہیں سوائے اس کے کہ ضمناً کہیں کہیں ہندی (اردو) کا ذکر آگیا ہے مثلاً۔

"الف ام الف وصل ...... نوع سوم الف است کہ برائی افادہ معنی مناسبت و قرب و تکرار دو کلمہ متجانس در آورند چنانچہ خواہند و دوشا دوش و گوناگوں و امثال آن .... و این الف در زبان ہندی متعارف است چوں بولا بول و چلا چل؛ مکمل لکھا خورکیلہ کہ در ہندی گودہ گویند"

ان اقتباسات سے بھی یہ بات ظاہر ہے کہ مصنف کے ذہن میں بھی یہ بات تھی کہ اس کے مخاطب اردو والے ہی ہیں لیکن ماحول پر فارسی چھائی ہوئی تھی اس لیے وہ مثال میں بھی فارسی کے اقتباسات نثر و نظم پیش کرتا ہے۔

کتاب کے مصنف اور زمانہ تصنیف سے متعلق اقتباسات ذیل سے اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

"چون راقم چاہی ساختہ آب شیرین و خوشگوار دارد و چوں دریغا بے مبلغی مساخت چشمہ و حوض نمود احداث این چاہ موجب نہایت آرام متردد دین و مسافرین گشتہ صاحب طبعی تاریخ آن از خوش فہمی چاہی بنا نمودہ بہ نیت رائی کالیتھ۔
تاریخ گفت ہاتف لازال خیر جاری؛"

اس سے سال تعمیر ۱۰۹۳ھ معلوم ہوتا ہے جس کی صحت بہت مشکوک ہے

---

[1] کتب خانہ کے لائبریرین مرزا عبدالحمید بیگ صاحب کی عنایتوں کا میں بے حد ممنون ہوں کہ موصوف نے مجھے کتب خانہ کے تمام مخطوطات کو دیکھنے کی نہ صرف اجازت دی بلکہ خود بھی میرے ساتھ اپنا کافی وقت صرف کیا۔ نظر

بہرحال اس سے اتنا معلوم ہوجاتا ہے کہ مصنف کے والد کا سیتخلص تھے اور ان کا نام رنجیت رائے تھا گیارھویں صدی ہجری کے آخر میں فارغ البالی میں بسر کرتے تھے۔ مصنف ابتدائی عمر میں نواب جانباز خاں مرحوم کی سرکار میں خطوط نویسی کے عہدے پر متعین تھا۔

"راقم بہ سرکار نواب خانباز خاں بہادر مرحوم بخدمت خطوط نویسی ملازم بود۔ وقتیکہ اعظم الدین خاں خلف نواب مرحوم بعارضۂ تپ دسر فرشتہ یافت غزلی در تاریخ شفا گزرانیدہ ہر چند قابل تحسین نبود اما از فضل و کرم نواب قدردان بخلعت خلعت مہاشت خانم نمایاں سرفرازی یافت آں غزل این است......

حکم غسل تپ دسر فرہ دور کردہ بہ گفت     شفائی اعظم باد (یں) بقائی عمر دوام"

اس سے یہ بھی معلوم ہوجاتا ہے کہ مصنف نہ صرف ایک[19] اچھا نثر نویس ہے بلکہ تاریخ گوئی پر بھی اسے اچھا ملکہ حاصل تھا کتاب میں اس نے جابجا اپنے رقعات ہی نہیں مختلف اقسام نظم کے نمونے بھی پیش کیے ہیں مثلاً

رقعہ بمیر روشن علی خوش نویس بہ التزام حروف دوایر

...... حسب الامر دو بیت فی نعت النبی کہ از طبع ناقص برآورد؟

بروصلی...... بقلم در آوردہ این است۔

ای دین متین تو مستون تہ گردوں     وای شرح جبین تو یکی مہ گردوں
روزی ز عنایت سوی فائق نظری کن     ای در شب معراج کی ملی رہ گردوں"

معلوم ہوتا ہے کہ وہ آخر عمر میں مسلمان ہوگیا تھا۔ اور اس کا تخلص فائق تھا وہ نواب آصف الدولہ کے عہد میں لکھنؤ پہنچا نواب کی فیاضی اور لکھنؤ کی خوبصورتی سے وہ بہت متاثر ہے لکھتا ہے۔

"حدیقۂ اقبال ابد اتصال خانی و غنچہ ایست مالا مال از معانی رنگا رنگ و گلزار ایست بر چیز نکات سحر آیات از نسخۂ عقل و فرہنگ ...... بعد حمد و نعت سمند قلم بمیدان مدح وزیر الاعظم آصف الدولہ آصف جاہ تیز گام است کہ بر ساکنان بلاد شرقیہ و غربیہ خصوصاً بر اہل فیض آباد دولت او عام است...... اول شجاعت...... دوم سخاوت...... سیوم عدالت...... چہارم عفت ...... ذکر بلدہ لکھنؤ...... شہر یست کہ کشمیر آب گردیدہ بر گومتی آید تا بہ کاوش چشم کشاید...... خصوصاً باغ وزیر الاعظم کہ مسمی بہ عیش باغ است...... خیبر حرم را در سر ہوای عرش نشاط است و عمرت یست کہ فکر مرا در دماغ خیال حضرت آشیانی اکنون دو قت را غنیمت انگاشتہ"

کتاب میں نواب سعادت علی خاں انکے کے اندراجات ملتے ہیں۔

"رقعہ در جواب نخبان ذوالی خاں...... در باب طلب تاریخ غسل شفای جناب عالی و شعری کہ بہ بست و چہار وزن گفتہ شد تاکیدی معلم آوردہ بودند...... بہ نظر انصاف ملاحظہ فرمایند کہ با وجود کثرت اوزان دیگر او صنعت تلفظی در و خیچ نمودہ شد۔

تاریخ غسل صحت نواب سعادت علی خاں

ہرگاہ فضل شافی مطلق طبیب شد     صحت تن وزیر جہاں را نصیب شد
غلین غذا و سین سعادت بہ یک دگر     بالام اعتدال طبیعت قریب شد
باشین شکر و فای اتفاق باتفاق     اقبال انجم یک الف خود منیب شد
ترکیب یافت غسل شفا چوں ازیں حروف     پیر خرد بہ معنی دیگر ادیب شد
چوں ربخ را ز غسل شفا دور ساختم     تاریخ طور تعمیہ فائق عجیب شد

۲۵۳ — ۱۴۷۱ = ۱۲۱۸ھ

خیال ہے کہ کتاب زیر بحث اسی عہد کی تالیف ہوگی۔

مولانا محمد حسین آزاد نے انشاء اللہ خاں انشا کے حال میں لکھا ہے،

"فائق تخلص ایک فلک زدہ شاعر تھا خدا جانے کس بات پر خفا ہوا کہ ان کی ہجو کہی اور خود لا کر سنائی انھوں نے بہت تعریف کی بہت اچھلے بہت کودے اور پانچ روپے بھی دئے جب وہ چلا تو بولے ذرا ٹھہریے گا ابھی آپ کا حق باقی ہے قلم اٹھا کر یہ قطعہ لکھا اور حوالہ کیا۔

فائق بے حیا جو ہجو م گفت     دل من سوخت سوخت سوختہ بہ
صلہ اش پنج روپے دادم     دہن سگ بہ لقمہ دوختہ بہ

(آب حیات ص۲۷۲)

مولانا نے بھی فائق کے متعلق کوئی تفصیلات بیان نہیں کیں زمانے پر نگاہ کریں، تو یہ بات بخوبی ممکن ہے کہ یہ مؤلف کتاب ہی ہو "اس کی طبیعت میں خود ستائی بہت زیادہ ہے چنانچہ کتاب کے بیشتر مندرجات سے اس کا اندازہ کیا جاسکتا ہے عین ممکن ہے کہ اس نے انشا کی ہجو کہی ہو چونکہ وہ اپنی علمیت کے اظہار کے لیے فارسی میں شعر زیادہ کہتا ہے یہ بات کچھ بعید نہیں کہ انشا نے بھی قطعہ مذکور اسی رعایت سے فارسی میں کہا ہو لیکن یہ فائق فلک زدہ نہیں معلوم ہوتا اگرچہ دربار تک اس کی رسائی تھی جس پر اس کے رقعات شاہد ہیں۔ یہ خیال کہ زیر نظر مخطوط کا مؤلف فائق معاصر انشا ہے اس امر کا محرک ہوا کہ کتاب کا تعارف شائع کیا جائے کہ اس طرح انشا اور اس عہد کی دوسری شخصیتوں سے متعلق کچھ مفید مطلب باتوں کی دریافت کے امکانات ہیں۔

فائق نے مختلف اصناف سخن کے اصول و قواعد اس دور میں لکھے تھے جب اردو شاعری تشکیلی دور سے گزر رہی تھی اس لحاظ سے بھی اس کی کتاب کی اہمیت ہے کہ اس سے اس عہد کے نظریات و تصورات اور قواعد کا پتا چلتا ہے۔ حدیقۂ اول کی فصل اول میں اس نے اقسام نظم بیان کی ہیں اس کے کچھ اقتباسات درج ذیل ہیں۔

"فصل اول در تعبیر کلام نظم — کلام نظم تر شعرا بر دہ قسم است غزل، قصیدہ، تشبیب، قطعہ، رباعی، فرد، مثنوی، ترجیع، مسمط، مستزاد

غزل در لغت دوست داشتن و در اصطلاح شعرا مجم ابیات چند بیست متحد در وزن و قافیہ کہ بیت اول آں ابیات مصرعی باشد و مصرعی بیتی را گویند کہ ہر دو مصرع آں قافیہ دار باشد و آں مطلع نیز خوانند و غزل زیادہ بر دوازدہ نباشد و کم از سہ بیت

(باقی صفحہ ۹ پر)

[19] کتاب میں بعض الفاظ کا املا بھی مختلف ہے مثلاً مثنوی کو مسنوی (بہ سین مثنی) اور طلب کو طلب (بہ ہائے ہوز) لکھا ہے۔

# عکس

اسرار اکبر آبادی

جون کا جلتا مہینہ
تیز گرمی
دوپہر کا وقت
کمرے میں گھلتی ریڈیو سے وائلن کی نرم دھن
صوفے، کتابیں، میز، کرسی،
کچھ نئی الماریاں
الماریوں میں کانچ کے برتن
کھلونے
تاج کا ماڈل
نئے انداز کی چھوٹی بڑی کچھ شیشیاں
اور شیشیوں میں خوشبوؤں کے رنگ بھی جلتے ہوئے
تپتی ہوئی سی کھڑکیاں پر ادھ کھلے رنگین پردے
فرش پر قالین
دیواروں پہ تصویریں
پہاڑوں،
جنگلوں
جھیلوں کی تصویریں
یہ تصویریں عجب انداز سے تکتی ہیں اپنے آپ کی پرچھائیاں
پرچھائیوں میں وقت کی چھپتی ہوئی گہرائیاں
گہرائیوں میں غم بھری تنہائیاں
تنہائیوں میں عکس میری ذات کا اور ذات سے چھپتی ہوئی چنگاریاں
چنگاریوں میں جل رہی ہے زندگی اور دور تک پانی نہیں
پانی نہیں
پانی نہیں کا شور ہے

# تمہاری یاد

ندا فاضلی

میرے کرتے کی پھٹی جیب سے کل
تمہاری یاد
چپکے سے نکل کر
سڑک کے شور و غل میں کھو گئی ہے
بڑی بستی ہے
کس کو فکر اتنی ....
کہ کس کھوئی میں کب سے تیر گئی ہے؟
یہاں ہر ایک کو اپنی پڑی ہے!

—×÷×—

# غزلیں

شمیم حنفی

آنکھ سی چھپی تو ہو گئے سینے بھی بے حجاب
تھی کس قدر ہجوم تمنا میں آب و تاب

چہرے تمام پیکر سنگیں میں ڈھل گئے
شہر اب ہے میں تجھ سے مری فکر کے سحاب

ٹوٹی صدا نے سب کو پشیمان کر دیا
آواز بازگشت ہے ہر بات کا جواب

یہ پتھروں کی چیخ یہ پانی کی ہچکیاں
اک حشر بن گیا ہے خموشی کا اضطراب

میرا شمار نیک دلوں میں بھی تھا کبھی
موسم کی سختیوں نے مگر کر دیا خراب

دو ہاتھ جب بڑھے تو خود اپنی خبر نہ تھی
دریا تھا لوگ جس کو سمجھتے رہے سراب

تنہائیوں کی شام بھی بدست ہو گئی
جب رنگ لائی ساغر خورشید کی شراب

ہر راستے کے موڑ پہ اک اور راستہ
منزل سے بے نیاز ہیں بیدار ہوں کہ خواب

ہونٹوں پہ زرد ریت کا صحرائے بیکراں
آنکھوں کے سامنے وہی چھوٹی سی جوئے آب

پلکوں پہ آ نہ بوجھ کہ شانے ہیں چور چور
یہ آگہی کا دور ہے، عرفان کا عذاب

اقبال رودولوی

دل کا ہر داغ جل اٹھا یارو!
آئی کس سمت سے صبا یارو!

چین دل کو نہ مل سکا یارو!
میکدہ جب سے چھٹ گیا یارو!

اب کہاں دل سے کوئی ہنستا ہے
لوگ ہنستے ہیں جبر یہ یارو!

ان مصیبت کی رہگذاروں میں
کون ہوتا ہے آشنا یارو!

کھا گئی مات گردش دوراں
جب ہوا اس کا سامنا یارو!

میں تو شاکی تھا اپنی قسمت کا
تم ہوئے کس لیے خفا یارو؟

اک مذاق ہو گئی بلا نازل
جب بھی مانگی کوئی دعا یارو!

سب وہاں مصلحت کے بندے تھے
کون سنتا مری صدا یارو!

ایک ہلچل ہے شہر یاروں میں
میں جو حق بات کہہ گیا یارو!

اب کے اقبال پر پڑی ایسی
یاد آتا نہیں خدا یارو!

واحد علی بانگے

گیتوں کے ساحل سے ہم نے جب ہم کو آواز دی ہے
آنکھوں کی کشتی میں بھر کر موتی سے اشک آئے ہیں

چھوٹوں کی مریادا کا بھی پاس بڑوں کو لازم ہے
بونے بھی آکاش دھنک کے دامن چھو آئے ہیں

گھبرایا ہے چاند ستارے جب سے ڈوبنے لگے ہیں
کھیتے کھوئے انساں اپنے سائے سے گھبرائے ہیں

ماضی کی پرچھائیں کے جانے ہر جا تو پھیلے تھے
لیکن واحد حال یہ ہے کہ ہم ان کو ٹھکرائے ہیں

سہیل اعظمی

درپیش غم کی لہر ہے اور ہم ہیں دوستو
اس پاراں کا شہر ہے اور ہم ہیں دوستو

کچھ اس کے چراغ کی کا لک ہے ذہن میں
کچھ زندگی کا زہر ہے اور ہم ہیں دوستو

ٹپکا رہا ہو جیسے کوئی آگ پر شرار
ایسی جنوں کی لہر ہے اور ہم ہیں دوستو

بکھری ہوئی ہے ریت کی صورت ہماری ذات
دہشت زدہ سا دہر ہے اور ہم ہیں دوستو

جب سے جنوں کی ہے محبت کی رہبری
گم راہیوں کا قہر ہے اور ہم ہیں دوستو

صفحہ ۴ سے آگے

در گزرد باشد قصیدہ آیند.....‘‘

اردو میں عام طور پر غزل کی تعریف ’’بازناں گفتگو کردن‘‘ کہہ کر کی جاتی ہے اور اشعار کی تعداد پانچ سے اکیس تک رائج ہے۔ تعداد کی زیادتی کے سبب تصیدہ نہیں کہتے۔

’’قصیدہ: در لغت مغز غلیظ است و در اصطلاح شعریست مانند غزل است زیادہ بر دوازدہ بیت‘‘

اس کے بعد تشبیب کا ذکر ہے لیکن اردو میں اسی تشبیب نے قصیدہ کا نام اختیار کرلیا ہے اور ذائق نے قصیدہ کا جو تصور پیش کیا ہے وہ اردو میں نہیں ہے۔

’’تشبیب در لغت ذکر ایام جوانی است و صفت معشوق و شرح حال خود در عشق و در اصطلاح آں است کہ صفت ہر چیز کنند و ہر حال را شرح دہند خواہ احوال و اوصاف عشق خواہ گل و گلزار خواہ مناظرات و امثال آں‘‘

اب اردو میں تشبیب قصیدہ کے ایک جزو کی حیثیت رکھتی ہے۔

’’قطعہ در لغت پارہ ایست از چیزی و در اصطلاح ابیات چند بیت کہ متحد باشد در قافیہ و وزن و مطلع ندارد زیرا کہ اگر مطلع باشد از دو حال خالی نیست.....‘‘

اردو میں قطعہ کو الگ صنف کی حیثیت بہت بعد میں حاصل ہوئی اور اب عام طور پر قطعہ میں بھی مطلع کہنے کا رواج ہے۔

’’مسمط در لغت مروارید در رشتہ کشیدن و در اصطلاح مصرعہا چند است کہ متفق باشد در وزن و قافیہ... مصرع اخیر کہ متفق است بہ وزن و قافیہ علی حدہ کہ بجائے شعر است بر یں قدر بہ بعضے تسمیہ شود مربع یعنی چہار مصرعی، مخمس یعنی پنج مصرعی مسدس، مسبع، مثمن، متسع و معشر‘‘۔

’’مستزاد کلامی است منظوم بعد مصرع یا بیت فقرہ از نثر مشروط است کہ نثر مستزاد مرتبط باشد بحسب معنی با کلام منظوم در سیاق و سباق اما بیت باید بی فقرہ مستزاد در نقش خویش تمام باشد چنانچہ اگر مستزاد با شد یا نباشد معنی بیت برائی موقوف نشود‘‘

’’از امیر خسرو دہلوی مستزادی بنظر نیامدہ کہ بیت بی فقرہ مستقل نباشد و معنی بیت موقوف باشد برآں چنانچہ فرماید..... ایں قسم خاصہ امیر خسرو است و دیگر از شعرا کسی بایں طریق نگفتہ‘‘

’’تاریخ ایں صنعت عبارت است از انکہ جہت حدوث واقعہ لفظی یا مصرعی یا بیتی یا فقرہ گویند کہ بحسب حروف مکتوب از روی حساب جمل موافق تاریخ سال ہجری باشد و حسن ایں صنعت چناں است کہ کلام تاریخ مناسبت داشتہ باشد بآں واقعہ‘‘

اردو تنقید میں چند اصطلاحات نے اصل کا درجہ حاصل کرلیا ہے ان کی تعریف ذائق نے اس طرح کی ہے:

’’فصاحت در لغت واضح بودنست کہ گل واضح فصیحا واقعہ و در اصطلاح واضح بودن کلام است از وجوہ اکراہ چند و آں ضعف التالیف و تنافر کلمات و تعقید است کہ بالا مذکور شد‘‘

’’بلاغت در لغت رسیدنست و در اصطلاح رسیدہ کلام بود بہ نہایت مقصود کلام و مبالغہ در حسن کلام بمقتضای مقام و مطابقت آں مقام امریست کہ داعی باشد متکلم را برادا آں بروجہ مخصوص مطابق مطلب‘‘

’’سلاست در لغت نرم و ملایم شدن است و در اصطلاح لفظ کلمات است بہ سہولت و آسانی و قرات و ترکیب کلام با لفاظ متفق الوزن و الحرکات و احتراز از ثقل کلمات‘‘

’’متانت در لغت استوار بودن است و در اصطلاح استواری کلام است کہ از ترکیب الفاظ جلیل المعنی و جزء الرزانت و ترتیب کلمات متین الروابط و عدیم الرکاکت و خوش نشیت فقرات بلند بحسب عبارت دل پسند حاصل آید و اختلال در آں واقع نشود غرض عبارت جزالت خوب داشتہ..... مراد است کلامیکہ تکلفاً بہم بستہ باشد جزالت ندارد‘‘

ذائق صرف علم بیان، بدیع وغیرہ پر ہی عبادت نہیں رکھتا تھا بلکہ وہ خود کو قادر الکلام شاعر بھی سمجھتا ہے چنانچہ نثر و نظم کی کم و بیش تمام مروجہ اقسام میں اس نے اپنے کلام کے نمونے پیش کیے ہیں۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ اردو میں بھی شعر کہتا تھا اس سلسلے میں اس کے حالات کی مزید تلاش کی ضرورت ہے۔

معاصر

# "دھرم یگ" میں اردو دشمن مہم !

"فلموں کی بھاشا اب ایک طرح سے اردو ہی ہو گئی ہے۔ جس سے ان فلموں کی لوک پریتا پر بھی تھوڑا بہت اثر پڑا ہے ... بھارت کے وبھاجن کے بعد سے اردو ایک طرح سے اتر بھارت سے ہٹ گئی ہے۔ اتر پردیش، بہار، راجستھان، مدھیہ پردیش، ہماچل پردیش، ہر ایک راج کی بھاشا ہندی ہے اور اردو وہاں سے دھیرے دھیرے گھٹتی جا رہی ہے، لیکن ہندی فلموں کی بھاشا لگاتار اردو کی اور بڑھتی جا رہی ہے۔ یہ کچھ عجیب سی بات لگ سکتی ہے۔ پریم "شبد کا استھان "محبت" اور "عشق" نے لے لیا ہے۔ بھاؤناؤں کے استھان پر "جذبات" آ گئے ہیں۔ ارمان، تمنا اور اسی طرح کے شبدوں کا پریوگ ہو رہا ہے۔ گیتوں کے استھان پر غزلیں آ گئی ہیں۔ آخر یہ کیوں؟"

یہ اقتباس ہندی کے مشہور ناول نگار بھگوتی چرن ورما کے مضمون سے پیش ہے، جو دھرم یگ کے تازہ شمارے (۵ رجون ۱۹۹۶ء) میں چھپا ہے۔

ساتھ ہی ہم بلٹز (۹ رفروری ۱۹۹۶ء) کے ایک اداریے سے مختصر سا اقتباس نقل کر رہے ہیں:

"قومی زبان کے نام پر جس قسم کی مصنوعی اور بھونڈی زبان مسلط کی جا رہی ہے اس کے خلاف پورے ملک میں احتجاج ہو رہا ہے ..... یہ بات نہیں بھولنی چاہیے کہ اس احتجاج کے لیڈر، کوئی اور نہیں، خود جواہر لال نہرو تھے۔ نہرو نے جنوبی اور شمالی ہند میں عوامی ہندی کو یعنی "ہندستانی" کو قومی زبان کی حیثیت سے مقبول بنانے میں جو خدمت انجام دی ہے اور کسی نے نہیں دی۔ نہرو ہمیشہ یہ شکایت کرتے تھے کہ آل انڈیا ریڈیو سے جو ہندی استعمال ہوتی ہے وہ ان کی سمجھ میں نہیں آتی۔"

بلٹز نے اسی اداریے میں لکھا تھا: "اگر ہندی کو ہندوستانی عوام کی زبان بنانا تھا تو پہلے فرض یہ تھا کہ ہندی زبان میں سادگی، لچک، آہنگ اور رواداری پیدا کی جاتی۔ سب سے پہلے تو انھیں بنیادی ہندی کو فروغ دینا چاہیے تھا تاکہ عام لوگ اسے آسانی سے روزمرہ کی زندگی میں استعمال کر سکتے۔ انھیں چاہیے تھا کہ اردو اور انگریزی کے الفاظ بے تکلف اپنائیں اور بول چال کی زبان سے الفاظ لیں اور ہندی میں جذب کر لیں۔"

دونوں اقتباسات سے زبان کے سوال پر دو ذہنی رویوں کی غمازی ہوتی ہے۔ پہلے اقتباس میں جس رویے کو اپنایا گیا ہے، وہ لسانی حق تلفی، تہذیب دشمنی، لسانی تعصب و تنگ نظری کا رویہ ہے۔ دوسرا رویہ لسانی محاذ پر ترقی پسند، صحت مند اور جمہوری نقطۂ نظر کی وکالت کرتا ہے۔ یہ معقول رویہ ہے جس میں لسانی تعاون اور ادبی تہذیبی لین دین سے تمام تہذیبی اور قومی گروہوں کے لیے لسانی ارتقا اور مستقبل کی ضمانت ہوتی ہے۔

اسی لیے پچھلے سال ہندی پرسار سمیتی کے اجلاس میں میسور کے چیف منسٹر نیجالنگاپا نے کہا تھا کہ ہندی والوں کو اپنا رویہ بدلنا چاہیے۔ انھیں تعاون اور رواداری کا رویہ اختیار کرنا چاہیے۔ اور اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے ذہن میں ایک بات صاف کر لیں۔ ہندی اس لیے ہماری راشٹریہ بھاشا ہے کہ یہ اکثریت کی زبان ہے۔ اس لیے نہیں کہ یہ سب سے ترقی یافتہ زبان ہے یا اس کا ادب سب سے زیادہ شاندار اور خوبصورت ہے۔

"دھرم یگ" نے اردو کے خلاف ہمیشہ ہی طرح سے ان نظریات کا پرچار کیا ہے، جن کے سوتے بھگوتی چرن ورما کے گھٹے ہوئے متعصبانہ اور زہریلے لسانی فکر و نظر سے پھوٹتے ہیں۔

ہمارے ملک کی آزادی کی قیمت وہ تقسیم تھی، جس نے ہندوستان کو دو ریاستوں میں کاٹ کر رکھ دیا۔ رجعت پرستانہ، جاگیردارانہ، تاجرانہ علاقہ بندیوں کی بنیاد پر ابھرتے بازریاست نے زمین کو کاٹنے کے ساتھ ساتھ تین اہم ترین زبانوں کو بھی دو ملکوں میں تقسیم کر کے رکھ دیا۔ یہ تین زبانیں ہیں: بنگالی (بنگال کی تقسیم)، پنجابی (پنجاب کی تقسیم) اور اردو (ہندوستان کی تقسیم)۔ جب آزاد ہندوستان کا آئین بنا تو نہرو کی رہنمائی میں اکثریت کی بنیاد پر ہندی کو راشٹریہ بھاشا قرار دے دیا گیا۔ ساتھ ہی اور ۱۳ زبانوں کی انفرادی اور علاقائی حیثیت کو تسلیم کیا گیا، جن کے نام آئین میں درج ہیں۔ ان زبانوں میں اردو بھی شامل ہے۔

لیکن اردو ہمارے قومی زندگی میں محض آئین کی سنہری زنجیروں میں اسیر کر کے رکھ دی گئی، کیونکہ اردو جو ہندوستان گیر مقبولیت رکھنے والی سب سے اہم اور ترقی یافتہ زبان تھی (اور آج بھی ہے) اپنی جنم بھومی یعنی اتر پردیش میں سوتیلی اولاد بنا دی گئی۔ اردو میں ابتدائی اور اعلیٰ تعلیمی سہولتوں کو محدود اور حوصلہ شکن بنا دیا گیا، عدالتوں اور دفتروں سے اس زبان کو نکال دیا گیا، جس کی قانونی اور دفتری اصطلاحیں عام لوگوں کی زبان پر تھیں۔ اردو دشمنی کی تحریک عام کر دی گئی۔ راشٹریتا کے نام پر اردو زبان اور اردو تہذیب، اردو کے ورثے اور تاریخ سے ہی انکار کیا جانے لگا۔ اردو کے سیکولر پیکر کو فرقہ پرستی کا کفن پہنا کر، تعصب، ماضی پرستی اور ناروا داری کی قبر میں سلانے کی کوشش کی گئی۔ دوسری تمام زبانوں کو پھولنے پھلنے کا پورا موقع ملا کیونکہ ان کے علاقے متعین اور مخصوص ہیں اور ہندی کے متعصب علمبردار ان کے فطری ارتقا پر اثر انداز نہیں ہو سکتے تھے، لیکن اردو کی جڑیں جہاں تھیں، وہاں اکھیڑ دی گئیں اور ایسی صورتیں پیدا کر دی گئیں کہ ۱۹۹۶ء میں پہنچ کر شری بھگوتی چرن ورما کا کلیجہ ٹھنڈا ہوا اور وہ سب سے اونچے گھوڑے پر بیٹھ کر ایک فتح یاب سورما کی طرح اعلان کر سکیں: "اردو اتر بھارت سے ہٹ گئی ہے، اتر پردیش، بہار، راجستھان، مدھیہ پردیش سے اردو دھیرے دھیرے گھٹتی جا رہی ہے۔"

تاریخ کے اوراق پلٹ کر دیکھیے اور پوچھیے کسی زبان یا تہذیب کے مٹنے پر کون لوگ خوشی کے شادیانے بجاتے ہیں؟ یہ کون لوگ ہیں جو اس بات پر خوش ہیں کہ ملا وجہی، ولی، میر، غالب، اقبال، سرشار، فراق، جوش، فیض، بیدی اور منٹو کی زبان موت کی نیند سو گئی ہے؟

اردو زبان و ادب، شاعری اور تہذیب سے کن لوگوں کو اور کیوں بیزاری اور نفرت ہے؟ اور یہ لوگ کون ہیں، جو اس بات پر خوش ہیں کہ انھوں نے نفرت اور تعصب کا زہر جو ملک کے لسانی ارتقا کے گلے میں ٹپکایا تھا، اور اپنا کام کر چکا ہے؟

بھگوتی چرن ورما کہتے ہیں "اردو ایک وشیشٹ سنسکرتی کی پرتی ندھتو کرتی ہے

اور وہی سنسکرتی اِن فلموں کے ذریعہ سارے دیش پر آروپت کی جا رہی ہے۔"

اردو ایک خاص تہذیب کی نمائندگی کرتی ہے جو ہمارے دیش پر مسلط کی جا رہی ہے۔ خاص تہذیب سے کیا مراد ہے؟ اور مسلط کرنے کے کیا معنی ہیں؟ تمام سرکاری اور غیر سرکاری اداروں سے آپ نے اسے ایک خاص تہذیب کی نمائندگی کے جرم میں نکال دیا، اور آپ آج اطمینان کی سانس لے رہے ہیں کہ ایک خاص تہذیب کی نمائندگی کرنے والی یہ زبان شمالی ہندوستان میں اپنی جنم بھومی میں یعنی اتر پردیش، بہار اور مدھیہ پردیش میں سسک رہی اور مرتی جا رہی ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ تسلیم ہی نہیں کرتے بلکہ فاتحانہ اعلان کرتے ہیں کہ پچھلے اٹھارہ سال میں جو ہماری آزادی کی عمر ہے آپ نے ایک زبان کو اور اُس کی آغوش میں سانس لیتی ہوئی ایک پوری تہذیب کو، اس تہذیب کو پروان چڑھانے والی تمام روایات اور تاریخ کو مارنے اور مٹانے کے سو جتن کیے۔ یہ بدترین تہذیب دشمنی اور فسطائیت ہے جس کے ڈانڈے نازی بربریت سے ملتے ہیں جس نے یہودیوں کو، ان کی تہذیب اور تاریخ کو تاراج کرنے کا بیڑا اٹھایا تھا، جس نے اپنے مقدس "آریائی خون" کا پرچم اٹھا کر دنیا کی تمام قوموں، تہذیبوں اور زبانوں کو اپنے فوجی بوٹوں سے کچل ڈالنے کے خواب دیکھے تھے۔ یہ ذہنیت بڑی انسانیت سوز اور تباہ کن نتائج پیدا کر سکتی ہے۔

بھگوتی چرن ورما اپنی پہچان میں کے نتائج پر خوش ہیں کہ ۱۹۴۷ء کے بعد اتر بھارت میں اردو بولنے والا نہیں رہ گیا ہے۔ اس سمے جس پیڑھی کی اوستھا پندرہ سولہ ورش کی تھی اس نے اپنی سمست شکشا ہندی کے ماڈھیم سے پائی ہے۔ وہ پیڑھی آج چوبیس پچیس ورش کا آدمی ہے۔ اس طرح ۲۵ ورش سے کم عمر والے لوگوں کی سمجھ میں اردو آتی ہی نہیں ہے۔ یہ جو ادھیکانش نمبر پنجابی ہیں ان کی شکشا دیکشا اردو میں ہی ہوئی ہے اور جو ادھیکانش سندھی و ترک ہیں وہ بھی اردو ہی جانتے ہیں۔"

بھگوتی چرن ورما کو اسی کا غم ہے کہ انھوں نے اتر پردیش، بہار اور مدھیہ پردیش میں اردو کو، اردو تہذیب، روایات اور تاریخ کو دفن کر دیا لیکن یہ کمبخت پنجابی اور سندھی اب تک اپنی اردو نہیں بھولے ہیں اور ان ہی کی وجہ سے اردو اپنی سخت جانی کا ثبوت دیئے چلی جا رہی ہے۔ بھگوتی چرن ورما سارے جیسے مورکھوں کو یہ بھی یقین دلانا چاہتے ہیں کہ بعض فلمیں جو ناکام ہوئی ہیں اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ ان کی زبان اردو ہوتی ہے اور بیچارے اتر پردیشیوں کی سمجھ میں نہیں آتی۔ وہ کیا جانیں "غ-ز-ل" کیا چیز ہوتی ہے؟ "عشق" کیا ہوتا ہے؟ "تمنا" کسے کہتے ہیں؟ ہندوستانی فلموں کی زبان وہ ہونی چاہیے جس کے نمونے آپ کو اوپر نظر آئیں گے۔ واقعی یہ سندھی، پنجابی پروڈیوسر اور فنانسر "بڑے مورکھ" ہیں جو اپنی فلموں میں اردو بول کر اور غزلیں گا کر اور غزلیں فلما کر اپنے لاکھوں کروڑوں روپے ڈبونے پر تلے ہوئے ہیں۔ ان لوگوں کو چاہیے کہ پہلی فرصت میں بھگوتی چرن ورما کے بکھیرے ہوئے موتیوں کو پلکوں سے چن لیں اور راشٹر بھاشا ہندی کا من ان موتیوں سے سجیت کریں۔ پھر دیکھیں ان کے یہاں کیا دھن برستا ہے۔

بات سیدھی یہ ہے کہ بعض فلم پروڈیوسروں اور فنانسروں نے اردو دشمن جذبے سے سرشار ہو کر بھگوتی چرن ورما کی زبان میں فلمیں بنائیں لیکن بدقسمتی سے ۲۴ ورش سے کم کے لوگوں نے بھی اس کی داد نہیں دی اور مجروح سلطان پوری اور ساحر لدھیانوی، اختر الایمان اور اندراج کی زبان میں بننے والی فلمیں مسلسل جوبلی مناتی رہیں۔ اب اس کا کیا علاج ہے! (اور میں یہ بات اِن فلموں کی فنی اہمیت کے پیش نظر نہیں بلکہ خالص لسانی نقطۂ نظر سے کہہ رہا ہوں کیونکہ اس مضمون میں صرف یہی پہلو زیر بحث ہے)

صرف "دھرم یگ" یا اس کے ایڈیٹر کو دوش دینا زیادتی ہوگی۔ دھرم یگ ایک بڑی اجارہ دار اخباری زنجیر کی ایک کڑی ہے۔ اجارہ داری کے اپنے مفادات ہیں۔ ان مفادات کی حفاظت کے لیے ایک خاص سیاسی، معاشی اور تہذیبی پالیسی اپنائی جاتی ہے۔ اس پالیسی میں فرقہ پرستی، قومی عصبیت، لسانی تنگ نظری، ادبی حلقہ بندی، سبھی کچھ شامل ہے۔ اسی لیے ہم نے دیکھا ہے کہ ہر زمانے میں مختلف پہلوؤں اور باتوں سے "دھرم یگ" میں اردو پر حملے ہوتے رہے ہیں۔ کبھی فلم کی زبان کی آڑ میں، کبھی ادب میں حب الوطنی کی تلاش شروع ہوتی ہے اور فیض پر حملے کرنے کے پردے میں ہندوستان میں اردو کے ترقی پسند شاعروں اور ادیبوں کا احتساب شروع ہو جاتا ہے اور انھیں کٹہرے میں کھڑا کر دیا جاتا ہے۔ یہ ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ اردو زبان کی گھٹی میں ہی کوئی ایسی چیز پڑی ہوئی ہے جو اسے دیش بھگتی کی آگ میں تپنے نہیں دیتی۔

یہ وہی ذہنیت ہے جو ایک طرف اردو کو ودیشی قرار دیتی ہے اور دوسری طرف شاستری جی کی (!) تصویر چھاپتی ہے اور پوچھتی ہے - مرنے کے بعد شاستری جی کا چہرہ سیاہ کیوں پڑ گیا تھا؟ یہ ذہنیت قومی یک جہتی، سیکولرازم اور سوشلزم کی دشمن ہے اور بھارتیہ سنسکرتی کے نام پر ملک کو پیچھے کی طرف لے جانا چاہتی ہے۔

لیکن یہ ذہنیت بڑی حیلہ ساز اور چالاک ہے۔ اس ذہنیت نے بعض "جدید" اردو ادیبوں کو "نواز" کر خاموش کر دیا ہے۔ یہ نوازشیں اتنی دلکش ہیں کہ اردو کے ادیب اس ذہنیت کی اردو دشمنی اور ترقی پسند قدروں سے اس کی بیزاری کو بھی نوش جان کرتے رہتے ہیں اور احتجاج کا ایک لفظ زبان سے نہیں نکالتے ........ اردو دشمنی ہندی کی دشمنی نہیں ہے۔ ہندی اور اردو گنگا اور جمنا کی طرح ہیں۔ دونوں ندیاں ایک ہی سرزمین پر بہتی ہیں اور زمین کو سیراب کرتی ہیں اور رنگا رنگ گل بوٹے کھلاتی ہیں۔ ان میں سے کسی ایک کے سوتے کو بھی خشک کرنے کی کوشش قوم کو ایک بڑی دولت سے محروم کرنے کی کوشش ہوگی۔

ہم گنگا پر بھی جان دیتے ہیں اور جمنا پر بھی، اور وہ لوگ جو اردو کی موت کا اعلان کر کے تالیاں بجا رہے ہیں؟

ضرورت اس کی ہے کہ ہندی اور اردو کے ترقی پسند ادیب و شاعر ہی نہیں، تمام ترقی پسند قوتیں یک جا ہو کر اس قومی امانت کے حال اور مستقبل کے بارے میں سوچیں اور اس مشعل کو روشن رکھنے کی تدبیر کریں۔

اردو کے ساتھ جو انصاف آندھرا پردیش میں ہوا ہے، وہی اتر پردیش، دہلی اور پنجاب میں ہونا چاہیے۔

اردو نے ہر دور میں زندگی کی بہترین قدروں کا نغمہ گایا ہے۔ اردو نے جنگ آزادی میں تیغ و تلوار کا کام کیا ہے اور فرد و قوم کے رستے ناسوروں کے لیے مرہم بن گئی ہے۔ اردو قوم کی زندگی میں حرکت و انقلاب کی ہر منزل پر روشن پرچم کی طرح لہرائی ہے اور لہرائے گی۔ اردو ایک زبان ہے، ایک تہذیب ہے، اردو ایک تاریخ ہے، ایک چیلنج ہے۔ اسے کون مار سکتا ہے؟

(اردو مبشر)

## مراسلات

# اردو میں اعداد و شمار

جناب ڈاکٹر جعفر حسن صاحب کی تجویز کہ اردو میں اعداد و شمار کس طرح لکھے جائیں، اس کا صحیح فیصلہ کرنے کے لیے کمیٹی کی تشکیل نہایت مناسب ہے اسی سلسلہ میں اپنی ایک تجویز جو ۸ مئی میں نے ہماری زبان کے ذریعہ پیش کی تھی پھر دہرانا ضروری سمجھتا ہوں۔ وہ ہے انگریزی اعشاریہ کے نشان کو اردو میں رائج کرنے کے سلسلہ میں۔ اردو اعشاریہ جزو سے ملتا جلتا ہے جو حرف تہجی سے تعلق رکھتا ہے، اور لکھنے میں وقت اور جگہ بھی زیادہ لیتا ہے۔ اگر انگریزی کے اعشاریہ نشان یعنی نقطہ کو رائج کر دیا جائے تو موجودہ صفر دائرہ نما ہوگا۔ اور عجوڈال پروائی سے لکھے جانے والے پانچ کو اصلی شکل (٥) میں ہی لکھنا ضروری ہوگا۔ موجودہ شکل اور مجوزہ صورت ذیل میں نمونہ کے طور پر پیش کرتا ہوں۔

موجودہ شکل ۱۵/۵۰

۱۵/۵۰

―――――

۳۱/۰۰

مجوزہ صورت ۱۵.۵۰

۱۵.۵۰

―――――

۳۱.۰۰

اگر جعفر حسن صاحب کی مجوزہ کمیٹی تشکیل پا جاتی ہے تو کمیٹی کے فیصلہ کو تمام درسی کتب میں کل ہند پیمانہ پر عملی جامہ پہنانا ضروری ہوگا۔

(مقصود احمد تقی بلاسپور)

# براہ کرم ان پر کوئی روشنی ڈالیں

قدیم سے اردو کی قلمی کتابوں میں اور آج سے ستر پچھتر برس پہلے کی مطبوعہ کتابوں میں بھی ٹ، ڈ اور ڑ جیسے حرفوں کی کتابت میں چار نقطے استعمال کیے جاتے تھے بعد میں ان حرفوں پر نقطوں کے بدلے (ط) لکھا جانے لگا۔ اس کا موجد کون ہے اور (ط) سے کیا مراد ہے؟ نیز غیر زبان کے مخصوص حرفوں کے لیے (ط) کیوں لکھا جاتا ہے؟ اور یہ عمل کب سے شروع ہے؟

(غلام رسول)

# ایک شعر کے بارے میں

تعارف کے لیے ملاحظہ ہو "ہماری زبان" مورخہ ۱۵ رمئی و یکم جون ۱۹۶۶ء

"لاؤ تو قتل نامہ مرا میں بھی دیکھ لوں
کس کس کی مہر ہے سر محضر لگی ہوئی"

یہ شعر بلاشبہ میر محبوب علی خاں مرحوم تخلص آصف والی ریاست حیدرآباد دکن ہے۔ ۱۹۰۰ء یا اس کے ایک یا دو سال قبل ۳ یا ۴ اعلیٰ عہدیداران ریاست جو لکھنؤ اور دلی سے یہاں آکر ملازم ہوئے تھے انھوں نے میر محبوب علی خاں مرحوم کے خلاف سیاسی سازش کی تھی جنھیں بعد تحقیقات خدمت سے علیحدہ کیا گیا، اور یہ سب شہر بدر بھی کئے گئے۔ دوران تحقیقات مہاراجہ سرکشن پرشاد جو ریاست کے مدارالمہام وزیر تھے ان کے ہاں ایک مشاعرہ ہوا جس میں میر محبوب علی خاں نے اپنی ایک غزل جس میں پانچ یا چھ شعر تھے اور جس میں آصف مقطع بھی موجود تھا اپنے استاد داغ دہلوی کے ذریعہ روانہ کی اور استاد نے اس کو مشاعرہ میں پڑھا۔ مشاعرہ میں چوتھے دن تحقیقات کی بنا پر سازش کرنے والے عہدیدار خدمت سے علیحدہ اور ساتھ ہی بمشورہ گورنمنٹ آف انڈیا شہر بدر کر دئے گئے۔ یہ شعر کسی طرح جلیل مانکپوری یا کسی اور سے منسوب نہیں کیا جا سکتا۔

(غوث محی الدین)

# سکندر علی وجد کا ایک شعر

سکندر علی وجد کے مجموعہ کلام کا ایک نہایت دیدہ زیب ایڈیشن "اوراقِ مصور" کے نام سے بمبئی سے شائع ہوا ہے۔ اس کے دیباچہ میں وجد صاحب فرماتے ہیں:-

"...... ان حالات کے پیش نظر میری کتاب لہو ترنگ اور آفتاب تازہ منسوخ کی جاتی ہیں۔ تین برس کی مسلسل محنت اور کوشش سے میں نے اپنی شاعری کا تقریباً سارا ذخیرہ جمع کیا اس پر شروع سے آخر تک سختی سے نظرثانی کی ........ یہ کتاب (اوراقِ مصور) میرے اشعار کا سب سے زیادہ مکمل اور مستند مجموعہ ہے ......"

ان الفاظ کے بعد توقع تھی کہ وجد صاحب اگست ۱۹۵۵ء کے ماہنامہ شمع دہلی میں "شمع پروانہ" کے عنوان سے چھپی ہوئی غزل کے مندرجہ ذیل مقطع میں بھی مناسب ترمیم کریں گے یا پھر اس پر خطِ تنسیخ کھینچ جائے گا، مگر مقطع محروم التفات ہی رہا:-

شعلۂ شمع کی لو، وجد ذرا تیز ہوئی
واہ رے زندگیٔ مختصرِ پروانہ! (اوراقِ مصور صفحہ ۱۲)

شعلہ اور لو مترادف الفاظ ہیں۔ نور اللغات میں لو کے معنی آگ یا چراغ کا شعلہ دئے گئے ہیں۔ لہٰذا دونوں میں سے کسی ایک کا استعمال کافی تھا۔ علاوہ ازیں اساتذہ کے ہاں شعلۂ شمع کی لو کی کوئی مثال میری نظر سے نہیں گزری چند اشعار ملاحظہ ہوں:-

(۱) کچھ نہ دیکھا پھر بجز یک شعلۂ پر پیچ و تاب
شمع تک ہم نے تو دیکھا تھا کہ پروانہ گیا (میر)

(۲) شعلہ زردیوں سے کبھی دل نہ نکھارا فانی
چاک کر دیتی ہے لو شمع کی پروانے کو (فانی)

(۳) لو شمع حقیقت کی اپنی ہی جگہ پر ہے
فانوس کی گردش میں کیا کیا نظر آتا ہے (صفی لکھنوی)

(۴) اک نورِ سحر کے رات ڈھل جاتی ہے
لو شمع کی چاندنی میں گھل جاتی ہے (شہاب جعفری)

(۵) کس قدر دلکش حسینِ عشق کا افسانہ ہے
شمع کی لو وجد میں ہے رقص میں پروانہ (فانی)

(چندر امانت۔ یوپی)

# یو۔پی میں اردو کی زبوں حالی

میں کئی برس کا یجنٹ ہوں۔ اس سلسلہ میں میرا آنا جانا یو۔پی کے کونہ کونہ میں رہتا ہے۔ یو۔پی کے اسکولوں میں اردو زبان کی تعلیم میں دقت اور اسکولوں اور کالجوں کے اساتذہ و طلبہ کی مختلف پریشانیاں جو کچھ مجھے معلوم ہوئی ہیں ان کو آپ کے اخبار کے ذریعہ منظر عام پر لانا چاہتا ہوں۔ خدا کرے میری آواز آپ کے اخبار کے ذریعہ وزیران محکمۂ تعلیم یو۔پی تک پہنچے اور مذکورہ مشکلات دور ہوں۔

سب سے پہلا اردو کا مسئلہ ہے۔ ۴۷ء کے بعد اردو کے ساتھ جو کچھ ہوا تھا وہ سب پر عیاں ہے۔ یہ دور ختم ہو کر جولائی ۶۳ء سے ایک نیا دور شروع ہوا ہے۔ حکومت نے تین زبانوں کی تعلیم کا فارمولا اسکولوں میں جاری کیا۔ اس فارمولے سے ہمدردان اردو کو یہ امید ہوئی تھی کہ یو۔پی میں اردو کو دوبارہ قدرے زندگی مل جائے گی لیکن ہنوز تین سال بعد بھی آج ہم دیکھتے ہیں کہ اردو کی طرف طلبہ کی رغبت نفی کے برابر ہے۔ وہ اردو پڑھنے میں کوئی خاص دلچسپی نہیں لیتے۔ ہندو طلبہ کو تو اردو پڑھنے کا سوال ہی نہیں، مسلم طلبہ بھی اردو چھوڑ کر سنسکرت لینا زیادہ مناسب سمجھتے ہیں۔ طلبہ کی اردو سے بے توجہی کی حسب ذیل وجوہات ہیں:۔

(ا) تین زبانوں کے فارمولے کا یو۔پی کے کالجوں میں اطلاق ہونے کے تین سال بعد بھی یو۔پی کے محکمہ نے اردو طلبہ کے لیے اردو نصاب کا اعلان ہنوز نہیں کیا۔ لڑکوں کو صرف پرائمری اسکولوں کی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں جبکہ سنسکرت کی کتابیں بیشتر چل رہی ہیں۔

(ب) اردو کی یہ کتابیں بازار میں کمیاب ہیں، بہت سے لڑکے بغیر کتابوں کے رہ جاتے ہیں۔ بک سیلروں کو پبلشروں سے کتابیں بہت کم ملتی ہیں۔

(ج) کتابوں سے بھی زیادہ کمی اردو کے استادوں کی ہے۔ اردو کے ٹرینڈ استاد کہاں سے آئیں جبکہ جتنے بھی یو۔پی کے نارمل بی ٹی سی اور بی ٹی سی اسکول یا کالج ہیں ان میں آج تک نئے استادوں کو اردو پڑھانے کے لیے طریقۂ تعلیم پڑھانے کے لیے کوئی استاد بھرتی نہیں کیا گیا ہے اور آئندہ بھی پانچسالہ پلان میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔

(د) پبلک اسکولوں یا گورنمنٹ کالجوں میں سے جتنے بھی اسکولوں اور کالجوں میں درجہ ششم سے اردو چل رہی ہے ان میں بھی اردو کے ساتھ سوتیلی ماں جیسا سلوک ہو رہا ہے۔ اردو پڑھانے کے لیے ہیڈ ماسٹر صاحبان ایک کلاس کو صرف تین پیریڈ دیتے ہیں۔ جبکہ دوسری زبانیں ہندی کو ہفتہ میں ۱۲ گھنٹے اور انگریزی کو ۹ گھنٹے دیے جاتے ہیں۔ ناظرین کہہ سکتے ہیں کہ ہفتہ میں صرف تین گھنٹہ کی پڑھائی سے اردو طلبہ کو کیا پڑھایا جا سکتا ہے کیونکہ اردو کی تعلیم کے ساتھ ایک نیا رسم الخط بھی سیکھنا ہوتا ہے لیکن چونکہ سنسکرت کو تین گھنٹے دیے گئے ہیں اس لیے اردو کو بھی تین ہی گھنٹے دیے جاتے ہیں جو سراسر ناانصافی ہے۔

(س) اردو طلبہ کو ہندی، انگلش اور اردو کے ساتھ لازمی سنسکرت بھی پڑھنے پر زور دیا جاتا ہے اس لیے اردو کے طلبہ کو چار زبانیں پڑھنی ہوتی ہیں جبکہ ان کے مقابل سنسکرت والے تین زبانیں پڑھتے ہیں اس لیے مسلمان لڑکے بھی اپنی سہولت کے لیے اردو کے بجائے سنسکرت لینا ہی آسان سمجھتے ہیں۔

(ص) یو۔پی کے محکمۂ تعلیم نے اردو پڑھنے والوں کی سہولت کے لیے دو قسم کے کورس جاری کیے ہیں۔ ۱۔ وہ لڑکے جو پہلے سے اردو پڑھتے آتے ہیں اور جنھوں نے اپنی مادری زبان اردو میں درجہ پنجم کا امتحان پاس کیا ہے ان کے لیے اردو کا قدیم کورس ہے۔ دوسرے وہ لڑکے جنھوں نے پرائمری اسکول میں اردو بالکل نہیں پڑھی ہے انھیں آسان اردو پڑھائی جاتی ہے۔ لیکن اسکولوں اور کالجوں میں جو ٹائم ٹیبل اردو کے لیے رکھا جاتا ہے اس میں ایک کلاس کے لیے صرف ایک پیریڈ ہی دیا جاتا ہے جس میں مذکورہ بالا دونوں فریقوں کو ایک ہی گھنٹہ میں اردو پڑھائی جاتی ہے۔ ناظرین سمجھ سکتے ہیں کہ ایسی حالت میں اردو کا استاد کیا پڑھا سکتا ہے اور اردو پڑھنے والے کیا پڑھ سکتے ہیں۔

(ض) لڑکیوں کے اسکولوں میں اردو کہیں شاذ و نادر ہی جاری ہوئی ہے ورنہ زیادہ تر اسکولوں میں مسلمان لڑکیوں کو اردو کی استانی کا خرچ نہ دینے کی وجہ سے سنسکرت ہی کی تعلیم کا انتظام ہونے پر سنسکرت ہی پڑھنی پڑتی ہے۔ اس طرح وہ ایک پڑھی لکھی عورت ہوتے ہوئے بھی اردو پڑھنے سے محروم رہ جاتی ہے۔

(ط) یہی حالت آج تمام ہندو اسکولوں اور کالجوں کی ہے وہاں پر بجٹ کی کمی کو اردو کے استاد نہ رکھ کر پورا کیا جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ لڑکے جو اردو لینا چاہتے ہیں اردو پڑھنے سے محروم رہ جاتے ہیں اور سنسکرت ہی پڑھنی پڑتی ہے۔

سنسکرت پڑھنے والے طلبہ کے لیے حکومت یو۔پی کے محکمۂ تعلیم نے خاص وظائف کا اعلان کیا ہے تاکہ اردو پڑھنے والے بھی سنسکرت کی طرف زیادہ سے زیادہ مائل ہوں۔ (مشتاق احمد گورمانی۔ الہ آباد) "سیاست جدید"

## اردو کا مطالبہ پیش کرنے کے لیے وزیر اعلیٰ بہار سے انجمن ترقی اردو کے وفد کی ملاقات

پٹنہ ۳۰ جون۔ آج شام کو وزیر اعلیٰ بہار سے انجمن ترقی اردو بہار کا ایک وفد ملا۔ وزیر اعلیٰ کو ایک میمورنڈم بھی دیا گیا۔ وزیر اعلیٰ نے وفد سے اسی یقین کا اظہار کیا جس کا اظہار وزیر اعلیٰ نے صدر جمعیۃ علماء ریاست بہار حضرت مولانا نور اللہ رحمانی سے ایک ملاقات میں کیا تھا کہ "اردو کا مسئلہ ہمارے نزدیک زیر غور ہے اور اس پر جلد ہی فیصلہ کیا جائے گا"۔

آزادی کے بعد بہار ریاستی انجمن ترقی اردو کی بیسیوں کانفرنسیں ہو چکی ہیں اور بلند بانگ دعووں اور قربانیاں دینے کا عہد کرنے کے بعد یہ پہلا موقع ہے کہ آج انجمن ترقی اردو کے ایک وفد نے اردو کا مطالبہ باضابطہ طور پر حکومت بہار کے وزیر اعلیٰ کے سامنے پیش کیا ہے۔

(پیغام نیمروز)

## شاخ مالیگاؤں کی ماہانہ میٹنگ

مورخہ ۲۶ جون ۶۶ء کو مقامی مرکز میں انجمن کی میٹنگ جناب شبیر احمد حکیم صاحب کی صدارت میں ہوئی جس میں ذیل کے امور طے پائے:-

(۱) پرائمری اسکولوں میں داخلے کے سلسلے میں پیش آنے والی پریشانیوں سے حکام کو آگاہ کیا جائے۔ تاکہ زیادہ سے زیادہ بچے اردو اسکولوں میں جا سکیں۔

(۲) ایس ایس سی ۶۶ء کے امتحان میں مالیگاؤں سینٹر سے کامیاب ہونے والے اس طالب علم اور اس طالبہ کو پچیس پچیس روپے کی کتابیں انعام دی جائیں جنھوں نے اردو مضمون میں سب سے زیادہ نمبر حاصل کیے ہوں۔

(۳) آخر میں ہند و پاک کے مشہور صحافی علامہ نیاز فتح پوری کی وفات پر تعزیتی تجویز منظور کی گئی جس میں آل احمد سرور کے ان الفاظ سے اتفاق کیا گیا۔

"نیاز کی موت ایک فرد کی موت نہیں، ایک روایت، ایک اسلوب، ایک نسل، ایک رجحان، ایک وضع، ایک انداز کی موت ہے۔ علم و فضل، فکر و نظر، انفرادیت و بصیرت، ادب و انشا، عزم و استقلال کی کتنی حکایتیں ان کے ساتھ ختم ہو گئیں۔ رہے نام اللہ کا۔"

(شعبان انصاری سکریٹری)

## ہماچل پردیش میں اردو کو اس کے جائز حقوق حاصل ہیں!

### چوتھے درجے سے دسویں درجے تک اردو کی تعلیم لازمی

### ڈاکٹر سدا رام کا ایک مراسلہ

"ہمارے وسیع النظر کرم فرما ڈاکٹر سدا رام انتہائی مسرت کے ساتھ تحریر فرماتے ہیں کہ پورے قومی اور سیکولر ہندوستان میں ایک ریاست ایسی بھی ہے جس کے حکمراں ہر قسم کے تعصب و تنگ نظری سے بالاتر ہیں۔ اور انھوں نے اردو کو وہ مقام دے دیا ہے جس کی وہ آئین اور انصاف کے تقاضوں کے مطابق مستحق تھی۔ ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں کہ ان خوش نما پہاڑوں، خوش منظر وادیوں اور حسین و جمیل مناظر میں بسنے والی ریاست کا نام "ہماچل پردیش" ہے۔ اور یہ وہ ریاست ہے کہ جس میں ۱۹۴۷ء کے ہنگامہ خیز قتل و غارتگری کے دور میں بھی انسانیت پوری طرح مطمئن و محفوظ رہی۔ اور اس کے وزیر اعلیٰ ڈاکٹر یشونت سنگھ پرمار رہے ہیں۔ ڈاکٹر سدا رام صاحب نے اس ریاست کا دورہ کیا ہے۔ اور ان سرکاری اسکولوں کا بچشم خود مشاہدہ کیا ہے جہاں حکومت کے احکام کے مطابق چوتھی کلاس سے دسویں کلاس تک اردو تعلیم لازمی ہے۔ اور یہ تمام سرکاری اسکولوں کے لیے ضروری ہے۔ ڈاکٹر صاحب موصوف نے اپنے اس مراسلہ میں پوری اردو دنیا کی طرف سے ہماچل پردیش کو مبارکباد پیش کرتے ہوئے اپنی اس توقع کا اظہار بھی کیا ہے۔ کہ اب پنجاب کی نئی تقسیم کے بعد ہریانہ پردیش اور پنجاب کے نام سے جو دو ریاستیں قائم ہو رہی ہیں ان میں بھی اردو کو دوسری سرکاری زبان کے طور پر جملہ قانونی حقوق عطا کر دیے جائیں گے۔ اور اس طرح کہ جہاں عدل و انصاف اور ملک کے سیکولر نظام زندگی میں قومی اتحاد و یک جہتی کے مقاصد کو تقویت پہنچائی جائے گی۔ وہاں حکومت ہماچل پردیش کی قائم کردہ روشن مثال کو اور وسعت دی جائے گی۔ ہماچل پردیش ایک پہاڑی ریاست ہے۔ اور اس کی آبادی کا زیادہ تر ہندوؤں اور دوسرے غیر مسلموں ہی پر مشتمل ہے لیکن اس کی شرافت، انصاف پسندی، بے تعصبی اور وسیع النظری کا مقام کیا ہے؟ کاش اس حد تک یوپی، بہار اور دہلی وغیرہ کی حکومتوں کی نظر بھی پہنچ سکتیں اور انھیں اپنی اردو کشی کے مسلسل اقدامات پر کبھی ندامت و شرمندگی کا احساس ہو سکتا۔" (نیا کس)

## حضرت بسمل سنہاروی کا انتقال ہو گیا

گیا ۹ جون۔ آج یہاں ساڑھے آٹھ بجے شب میں ہندوستان کے مشہور تاریخ اور غزل گو شاعر ابوالفسان حضرت حافظ بسمل سنہاروی کا انتقال ۷۷ برس کی عمر میں ہو گیا۔

آپ نے ساری زندگی اردو زبان و ادب کی خدمت کی۔ آپ کی تصنیفات میں ساغر و مینا، جواہر پارے، خمخانہ و سبو اور نوائے سروش قابل ذکر ہیں۔

آپ کے پس ماندگان میں تین لڑکے اور دو لڑکیاں ہیں۔ ادریس سنہاروی مدیر "سہیل" گیا آپ کے سب سے چھوٹے صاحبزادہ ہیں۔

(نامہ نگار آدرش)

## چندر پور اردو ہائی اسکول کے لیے امداد کی اپیل

۱۹ جون ۱۹۶۵ء کو شہر چندر پور میں اس ضلع کے پہلے اردو مڈل ہائی اسکول کا قیام عمل میں آیا تھا جس کی ابتدا پانچویں کلاس کھول کر کی گئی تھی۔ اس کا پہلا سال کامیابی سے گزر گیا اور اس نئے تعلیمی سال میں یہ اسکول پورا مڈل اسکول بننے جا رہا ہے، یعنی پانچویں سے آٹھویں تک کلاسس شروع

ہونے والی ہیں۔

اس اسکول کی بنیاد او بچے آدرشوں پر رکھی گئی ہے رفیع احمد قدوائی میموریل ایجوکیشن سوسائٹی آپ سے درخواست کرتی ہے کہ اسکول چلانے کے لیے اپنا ہاتھ ہماری طرف بڑھائیے۔ اور اسکول کی مالی امداد کیجئے۔

اپیل کرنے والوں میں ودربھ انجمن ترقی اردو کے سکریٹری فیض انصاری صاحب بھی شامل ہیں۔ (ایک نامہ نگار)

## چاندہ میں انجمن ترقی اردو (ہند) کی شاخ

### اردو دوست انجمن کے ممبر بنیں

مہاراشٹر کے اردو دوستوں کو یہ سن کر مسرت ہوگی کہ انجمن ترقی اردو (ہند) کی شاخ چاندہ میں بھی قائم کر دی گئی ہے چاندہ کے اردو دوستوں سے درخواست ہے کہ اردو کے مقاصد کو تقویت پہونچانے کے لیے زیادہ سے زیادہ تعداد میں انجمن ترقی اردو (ہند) شاخ چاندہ کے ممبر بنیں۔

رکن سازی کے فارم حاصل کرنے کا پتہ۔

جناب محمد وزیر علی صاحب سکریٹری
انجمن ترقی اردو (ہند) شاخ چاندہ
قدوائی اسکول

جٹ پورہ چاندہ

(م۔ ی۔ کھتری شعبۂ نشر و اشاعت
انجمن ترقی اردو (ہند) مہاراشٹر)

## "دہلی میں شب خون کی رسم اجراء"

دہلی ۱۶ جون۔ آج شام ڈاکٹر اعجاز حسین کی ادارت میں شائع ہونے والے اردو کے نئے ادبی ماہنامے "شب خون" کو خوش آمدید کہنے کے لیے دہلی کے ادیبوں اور شاعروں کا نہایت مختصر نوٹس پر بلایا ہوا ایک خصوصی نمائندہ اجتماع یامبی ریسٹورنٹ، بہادر شاہ ظفر مارگ نئی دہلی میں منعقد ہوا۔

زبیر رضوی نے میزبان کے فرائض انجام دیتے ہوئے "شب خون" اور اردو کے ادبی رسائل کے بارے میں تقریر کی اور "شب خون" کے اجراء کو اردو کے جدید ادب کے لیے مبارک قرار دیا اور رسالے کے ناشرین کو مبارکباد دی "شب خون" کا شمارہ ۲۳ حاضرین کی نذر کیا۔ حاضرین نے نئے رسالے اور اردو کے رسائل کے عام مسائل پر بحث کرتے ہوئے اردو کے اس نو وارد رسالے کو خوش آمدید کہا۔ اس اجتماع کے شرکا میں مالک رام، علی جواد زیدی، کوثر چاند پوری، رام لعل، بلراج کومل، بلراج مینرا، کرشن موہن، رفعت سروش، ستیندر پرکاش، راج ایکاریاشی، محمود ہاشمی، بانی، راج نرائن راز، کیول سوری، مصباح الدین شکیل، صہبا وحید خصوصی طور پر قابل ذکر ہیں۔ اس اجتماع کی صدارت کوثر چاند پوری نے کی تھی زبیر رضوی کی پُر تکلف چائے اور شکریے پر اس خوشگوار ادبی اجتماع کا خاتمہ ہوا۔ (زبیر رضوی)

## شہر میسور میں یادگار مشاعرہ

ادارۂ بیت الادب کمانی دروازہ میسور کی جانب سے مورخہ ۱۱ جون کی شب ٹھیک دس بجے جناب محمود ایاز (مدیر سوغات بنگلور) کی صدارت میں مشاعرہ کا آغاز ہوا۔ عزیز الملک جناب عزیز سیٹھ صاحب سابق ایم۔ ایل۔ سی نے مشاعرہ کا افتتاح فرماتے ہوئے محمود ایاز کا تعارف کرایا اور اردو مشاعروں کی اہمیت اور اردو زبان کی زبوں حالی پر اپنے خیالات کا اظہار فرمایا۔ افتتاحی تقریر کے بعد مشاعرہ کا باقاعدہ آغاز ہوا۔ غالباً میسور میں پہلی مرتبہ مشاعرے میں اردو کے چاہنے والوں نے اتنی کثیر تعداد میں شرکت کی ہوگی۔

جناب گلزار دہلوی صاحب کسی کام سے میسور تشریف لائے تھے۔ منتظمین کی درخواست پر آپ نے ولولہ انگیز کلام سنایا۔ جناب اقبال فرید صاحب نے اناؤنسر کے فرائض انجام دیئے۔ اور ہر شاعر کا منظوم تعارف کرایا۔

مندرجہ ذیل شعرائے کرام نے مشاعرے میں حصہ لیا۔

محمود ایاز، گلزار دہلوی، محمود سعید، منیر عاقل شاہی، محمد حنیف کلیم، شاہد، خلیل سیمابی (کولاری)، (بذریعہ ڈاک)، سالک، روش، شافی، راہی، سروش، بیباک، اقبال فرید، کاوش، ارمان آلدوری، علم تشکیل، امتین، منصور، ڈاکٹر انور، واحد ماہر، کیش، قمر اور مجاہد،

(اے حکیم شریف سکریٹری)

## انجمن صداقت پسند مصنفین کا قیام

لکھنؤ ۲۰ جون۔ ناول نگار عادل رشید کے مکان پر کل ڈاکٹر شجاعت علی سندیلوی کی صدارت میں مقامی ادیبوں کی ایک نشست ہوئی اور "انجمن صداقت پسند مصنفین" کی تشکیل عمل میں آئی جس کے اغراض و مقاصد انسان دوستی ایکتا اور ادب میں صالح قدروں کی ضرورت کا محسوس کرنا قرار دیئے گئے شرکا میں امین سلونوی، ڈاکٹر سلام سندیلوی، جناب عمر انصاری، جناب ضیا عظیم آبادی، جناب مائل ملیح آبادی، جناب حیات وارثی، جناب ذکی رسول پوری اور جناب ڈم ڈم بجنوری قابل ذکر ہیں۔

(قومی آواز لکھنؤ)

## انجمن کی چند نئی مطبوعات

| | | | |
|---|---|---|---|
| (۱) | کلام سودا | ڈاکٹر خورشید الاسلام | ۲۵-۰۰ |
| (۲) | مرزا محمد رفیع سودا | ڈاکٹر خلیق انجم | ۱۰-۵۰ |
| (۳) | مذکرۂ سودا اور ند | مترجمہ ابو سالم | ۸-۵۰ |
| (۴) | فائز دہلوی اور دیوان فائز | پروفیسر مسعود حسن رضوی ادیب | ۲۶-۰۰ |
| (۵) | گلشن سخن (تذکرہ شعرائے اردو) | " " | ۲۶-۰۰ |
| (۶) | بانو دیہ (مجموعۂ کلام) | ڈاکٹر منیب الرحمٰن | ۳-۵۰ |

مالک انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ پرنٹر ضمیر الدین قریشی نے مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھپا یا پبلشر نذیر حسن نے دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ سے شائع کیا۔